# مولانا ظفر علی خاں بحیثیت صحافی: ایک تحقیقی جائزہ

ثنا ہارون
لیکچرار ابلاغیات
گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

# MAULANA ZAFAR ALI KHAN AS A JOURNALIST

Sana Haroon
Lecturer in Mass Communication
GC University, Faisalabad

**Abstract**

Maulana Zafar Ali Khan was a politician, journalist, orator, public speaker and preacher. Indeed he won reputation by his indefatigable and industrious role in the freedom movement. He was a graduate of Aligarh Muslim University. He never compromised on his principles and ethical values. His heroic role in creating awareness in the Indian Muslims against the English Rule and narrow mindedness of the Hindu was appreciable. He tried his best to create such an atmosphere where every Muslim of the Subcontinent could participate in the movement for freedom with vigour and vitality. This article analyzes the role of Maulana Zafar Ali Khan as a real Muslim journalist and political leader.

**Keywords:**

ابن تیمیہ، ابن خلدون، مولانا ظفر علی خان، صحافت، برصغیر، روزنامہ، زمیندار

حیاتِ مستعار کے ناموافق اور کٹھن سفر میں جہدِ مسلسل، مستقل مزاجی، حالات کی سنگینی سے نبرد آزما ہونے کا جذبہ، اور باطل سے برسر پیکار رہنا ہی وہ زادِ راہ ہے جسے اس دشوار گزار سفر کو گل و گلزار کرنے میں ممد و معاون تسلیم کیا جاتا ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی جسے برطانوی حکمرانوں نے غدر کا نام دیا، برصغیر کے عوام کے لیے بالعموم اور مسلمانوں کے لیے بالخصوص ایک قیامت صغریٰ سے کسی طور کم نہیں تھی۔ اس نے تاریخ انسانی کے الم ناک، خوف ناک اور شرم ناک باب کو رقم کیا جس سے برطانوی سامراجی نظام اپنے بدنما اور مکروہ چہرے سمیت، مہذب دُنیا کے سامنے آشکارا ہو گیا۔ ظلم و بربریت کی انتہا برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک تازیانے سے کم حیثیت کی حامل نہیں تھی۔ اس کے نتیجے میں انھوں نے مجہولیت، عیش کوشی، غفلت و درماندگی، سہل پسندی، تن پرستی اور زندگی سے بے زاری اور فرار کو چھوڑ کر بیداری، فعالیت اور ہوش مندی کی زندگی بسر کرنے کا ڈھنگ، سلیقہ اور طریقہ ماننے کا آغاز کیا۔ اس قحط الرجال کے پُر آشوب دور میں قدرت نے برِ صغیر کے مسلم طبقے کی ذہنی، فکری، معاشی، تعلیمی اور معاشرتی ترقی اور سیاسی فکر و نظر کے ارتقا کے لیے ایسے ابطال پیدا کیے جن کی مساعیِ جمیلہ نے حالات و واقعات کے اندر ایک ہلچل پیدا کی اور زمانے کی خطرناک چالوں کو نہ صرف سمجھا بلکہ مسلمانوں کو ان سے برسرِ پیکار ہو کر منزلِ مقصود تک پہنچنے کا راستہ بھی دکھا دیا۔ ایسے ہی ایک بطلِ جلیل کا نام مولانا ظفر علی خاں ہے۔

مولانا ظفر علی خاں اور چند دیگر اصحاب کو قدرت نے برصغیر کے مسلمانوں میں شعور و عرفان پیدا کرنے کے لیے منتخب کر لیا تھا تاکہ فکر و نظر کا انقلاب، حقیقی انقلاب کی جانب رہنمائی کا فریضہ انجام دے سکے۔ اس حوالے سے محمد زبیر ناصر رقم طراز ہیں:

> ’’اس بیداری کا صور پھونکنے کے لیے قدرت نے انیسویں صدی کے رُبع آخر میں متعدد ایسے مردانِ حُر اور رجالِ کار پیدا کیے جنھوں نے آگے چل کر ملک و ملت کی زمامِ قیادت اپنے ہاتھ میں لی اور رہبری کا بیڑا اُٹھایا۔ قدرت کے ان منتخبِ روزگار افراد کی حیثیت ایسے گوہر ہائے نایاب کی ہے کہ اگر انھیں برصغیر کی علمی و ادبی اور سیاسی و ملی تاریخ سے الگ کر دیا جائے تو ملت کی تہی دامنی پر شاید کوئی نوحہ گر بھی نہ ملے۔ ان حضراتِ عالی شان میں علامہ شبلی نعمانی، حضرت اقبال، مولانا ظفر علی خاں، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسرت موہانی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔‘‘(۱)

مولانا ظفر علی خاں ایک سنجیدہ اور باوقار علمی و ادبی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ انھوں نے متنوع موضوعات پر خامہ فرسائی کی۔ وہ ادیب، صحافی، مقرر، خطیب اور حق پرست صحافی تھے۔ علوم و معرفت میں ان کی

جامعیت وعظمت مسلمہ تھی۔ان کی شخصیت نابغۂ روزگار اور کثیر الجہات تھی۔وہ اپنے زمانے کی بہت سی شخصیات سے نہ صرف متاثر ہوئے بلکہ ان سے کسبِ فیض بھی کیا۔وہ ادبی لحاظ سے مولانا محمد حسین آزاد، مرزا غالب، الطاف حسین حالی اور ابوالکلام آزاد کے اسلوب بیان کے گرویدہ دکھائی دیتے ہیں جب کہ سیاسی نقطۂ نگاہ سے علامہ اقبال ان کے لیے مثالی حیثیت رکھتے تھے۔ابن تیمیہ، غزالی، ابن خلدون، مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولیؒ اللہ جیسی عظیم ہستیوں نے ان کے افکار ونظریات کو نہ صرف سنوارا بلکہ ان میں گیرائی اور گہرائی بھی پیدا کی۔ اسی فیضان کا نتیجہ تھا کہ ان کے طرزِ خطابت اور طرزِ تحریر میں داعیانہ اور مبلغانہ انداز منعکس ہونے لگا۔انھوں نے اپنی تمام تر صلاحیتوں اور اہلیتوں کو ملت وقوم کی سیاسی وسماجی بیداری کے لیے بھرپور انداز میں استعمال کیا۔

مولانا ظفر علی خاں کے اسلوبِ نگارش میں سادگی و گہرائی، جدیدیت ونیچریت، ولولہ وطنطنہ، رنگینی وموزونیت، ندرت وفصاحت اور حکمت وعبقریت جھلکتی ہے۔مختلف طبائع سے خوشہ چینی کی بنا پر، ان کی شخصیت کو کثیر الجہت قرار دیا جا سکتا ہے۔انھوں نے جہدِ مسلسل سے اپنی راہ کو آسان بنانے کی تگ ودو کو زندگی بھر جاری رکھا۔ادب، سیاست، خطابت اور صحافت غرض ملی وقومی اور انفرادی واجتماعی سطح پر زندگی کے تمام شعبوں میں مولانا نے اصلاح وتربیت کا فریضہ احسن طریقے سے انجام دیا۔آپ کی عظمت وفضیلت اور مقام ومرتبے کے حوالے سے ڈاکٹر محمد آصف اعوان رقم طراز ہیں:

> ''ہندوستان میں بیسویں صدی کے ابتدائی دور سے ہی علمی وادبی اور مذہبی وسیاسی فضا پر جن تین شخصیات کا خاص طور پر غلبہ تھا ان میں علامہ محمد اقبال، مولانا ظفر علی خان اور مولانا ابوالکلام آزاد کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں علامہ اقبال کی نظموں نے نوجوانوں کے قلوب واذہان کو دینی غیرت وحمیت، قومی خدمت اور آزادی کے بے پناہ جذبے سے سرشار کر دیا تھا۔مولانا ظفر علی خان فرنگیوں کے خلاف اعلان بغاوت کا سمبل بن چکے تھے۔وہ ایک شعلہ بیان مقرر اور جادو اثر صحافی تھے۔''(۲)

قدرت نے کچھ افراد کو کسی خاص شعبۂ حیات میں درکار صلاحیتوں سے خوب نوازا ہوتا ہے اور پھر یہ لوگ نیابت الٰہی کی ذمّے داری کو اس قرینے اور سلیقے سے ادا کرتے ہیں کہ عوام الناس کے لیے ایک مثال اور نمونہ کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔مولانا ظفر علی خاں کو بھی قدرت نے ایک خاص ذمّے داری اور کردار سونپا تھا۔مولانا نے اپنے ربّ سے کیا ہوا عہد کہ ''بے شک تو ہی ہمارا ربّ ہے'' اس طرح نبھایا کہ برصغیر کے مسلمانوں میں سب سے پہلے سچی، قومی اور ملی روح پیدا کر دی۔آپ نے اتحادِ اسلام کی دعوت کو مؤثر، باوقار اور دلپذیر انداز میں وسعت وتاثیر عطا کی۔حقیقت یہ ہے کہ آپ نے روزنامہ ''زمیندار'' کے توسط سے نوجوانوں کے سینے میں فکر ونظر اور سیاسی ومعاشی شعور کا صُور پھونکا اور بیداریِ ملّت کا فریضہ، فرضِ عین سمجھ کر ادا کیا۔

آپ نے دینی تربیت اور سیاسی شعور کے توسط سے قوم کو انگریزی سامراج کے خلاف نہ صرف متحد و منظّم کیا بلکہ اُس ہراول دستے کی قیادت اور نصرت کرنے کے لیے مولانا غلام رسول مہر جیسے زیرک اور نادر روزگار کو اپنے مشن اور مقصد کا حصے دار بنایا۔ حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ہو کر آپ نے اپنا صحافتی مشن زبردست طریقے سے آگے بڑھایا۔ آپ کی آزاد صحافت اور نظریات نے مولانا غلام رسول مہر کو دورِ طالب علمی ہی میں اس قدر متاثر کیا تھا کہ انھوں نے عزم کر لیا تھا کہ وہ انگریزی حکومت کی ملازمت اختیار نہیں کریں گے۔(۳) آپ کے گہرے اثرات کی بنا پر مولانا غلام رسول مہر نے بھی صحافت کو اپنی زندگی میں نہ صرف حقیقی مقام و مرتبہ دیا بلکہ اسے ذریعۂ معاش کی حیثیت سے مستقلاً گلے لگایا۔

مولانا ظفر علی خاں کا مذہب و ملت سے لگاؤ قابلِ قدر اور قابلِ ستائش تھا۔ اسلامی تعلیمات اور شعار کی تضحیک وہ کسی طور برداشت نہیں کرتے تھے حالاں کہ اس پالیسی کے نتیجے میں انھیں سنگین نتائج کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ آپ ان مجالس میں شرکت سے ہمیشہ اجتناب کرتے تھے جہاں شریعت کی پاسداری نہ کی جاتی تھی۔ آپ کی اس روش اور طرزِ زندگی کے حوالے سے پروفیسر عبدالرؤف نوشہروی رقم طراز ہیں:

> ''مذہب سے انھیں خاصا لگاؤ تھا۔ یہی وجہ ہے دورانِ ملازمت حیدر آباد جب آپ میر عثمان علی خان کے اتالیق تھے، انھی دنوں ایک برطانوی رقص پارٹی ہندوستان کا دورہ کرتے ہوئے حیدر آباد پہنچی۔ مجلس کے اختتام پر جب انھیں شکریہ ادا کرنے کو کہا گیا تو موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ریزیڈنٹ کی موجودگی میں کہا کہ یہ بے غیرتی اور بے حیائی کا کُھلا مظاہرہ انگریزی تہذیب میں تو برداشت کیا جا سکتا ہے لیکن اسلام اور اس کی تہذیب و تمدن اس برہنہ رقص کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ شرم و حیا مشرق کی متاعِ عزیز ہے۔ اگر یہ بھی لُٹنے لگی تو پھر قوم کی بے غیرتی اور بے حیائی میں کوئی کسر باقی نہ رہے گی۔ اس پر جنرل اوڈائر بھڑک اُٹھے اور انھیں حیدر آباد سے اخراج کا حکم ملا۔''(۴)

مولانا ظفر علی خاں کے والد مولوی سراج الدین صحافی تھے اور وہ اپنے زمیندار بھائیوں کے مسائل اور مشکلات سے بخوبی آگاہ تھے۔ وہ زمیندار بھائیوں کی رہنمائی اور بھلائی کے لیے اخبار ''زمیندار'' نکالتے تھے۔ مولانا ظفر علی خاں کا تعلیمی پس منظر بہت شان دار تھا۔ اپنی لیاقت اور خوبیوں کی بنا پر آپ محسن الملک کے سیکرٹری بنے۔ صحافت ان کے لیے ایک عبادت اور خدمت کی حیثیت رکھتی تھی۔ آپ نے خاصا وقت حیدر آباد دکن میں گزارا۔ وہیں آپ نے ایک رسالہ ''دکن ریویو'' بھی نکالا۔ ۱۹۰۹ء میں آپ کی مشکلات میں اس وقت اضافہ ہو گیا جب آپ کے والد مولوی سراج الدین اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ والد کی وفات کے بعد ''زمیندار'' کی ادارت کی ذمّے داری آپ کے کندھوں پر آن پڑی۔

آپ نے اسے لاہور منتقل کیا اور ہفت روزہ سے روزنامہ بنا دیا۔ آپ کی ادارت میں اس اخبار نے شہرت، عزت اور احترام کی بلندیوں کو چھولیا۔ آپ کی محنتِ شاقہ اور ''زمیندار'' کے ساتھ آپ کی انسیت اور لگاؤ کے متعلق پروفیسر عبدالرؤف نوشہروی رقم طراز ہیں:

''آپ نے زمیندار اخبار کی طرف توجہ دی اور نڈر ہو کر کام کیا جس سے کئی دفعہ مشکلات میں پھنس گئے اور اخبار بھی کچھ عرصے کے لیے بند ہو گیا۔ آپ کی پہچان آج بھی ماضی کا یہ زمیندار اخبار ہے جس کے بے لاگ تبصروں کے مقابلے میں آپ کی ملازمت کا دور، فوجی ملازمت، دارالترجمہ حیدرآباد کی خدمات، دکن ریویو کی ایڈیٹری وغیرہ کسی گنتی میں بھی نہیں آتیں۔''(۵)

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی سے پہلے کے اُردو اخبارات عوام میں خاصے مقبول تھے اور ان کی اشاعت بھی اچھی خاصی تھی۔ برطانوی حکومت نے ان اخبارات پر ۱۸۵۷ء کے بعد پابندیاں عاید کرنا شروع کر دی تھیں اور ان پر بغاوت پراکسانے کا الزام بھی لگایا گیا تھا۔ بنگالی یا دوسری زبانوں میں چھپنے والے اخبارات انگریزی حکومت کے عتاب کا زیادہ شکار نہ ہوئے۔ شاید اُردو اخبارات پر جو کڑا وقت آیا اس میں ان کا اپنا بھی کوئی کردار رہا ہو۔ یہ تو حقیقت ہے کہ ان میں سے بیشتر اخبارات میں منطقی استدلال کی کمی اور جذباتیت کا رجحان زیادہ تھا۔(۶) چوں کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے نتیجے میں مسلمان تخت وتاج اور مقام ومرتبے سے محروم ہو گئے تھے، شاید اسی ذلت کے ردِ عمل کے نتیجے میں بھی ان کا رویہ اور طرزِ زندگی کسی باقاعدہ نظام کو ماننے اور ترجیح دینے کے لیے ذہنی اور شعوری طور پر تیار نہ تھا۔ اُردو اخبارات کے دورِ آزمائش کے حوالے سے ڈاکٹر صائمہ ارم رقم طراز ہیں:

''ان اخبارات کو برطانوی راج کی بڑھتی ہوئی طاقت کا بھی پورے طور پر احساس نہیں ہو سکا اور نہ وہ اس وقت میں طاقت کے توازن کو پہچان سکے۔ اسی طرح اس جنگ اور اس کے نتیجے میں ہونے والی ناکامی کا بھی وہ پہلے سے اندازہ نہیں کر سکے۔ اس کے مقابلے میں خاص طور پر بنگالی اخباروں نے نہ صرف اس طاقت کے توازن کا اندازہ کر لیا تھا بلکہ وہ نئے حاکموں کے عمومی مزاج کو بھی پہچان گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ سیاسی بیداری اور صحافتی آزادی کے لیے بنگال سے توانا آوازیں اُٹھتی رہیں لیکن ان اخبارات کا مقدر ایسا المناک نہیں تھا۔''(۷)

انیسویں صدی کا رُبع آخر اور بیسویں صدی کا رُبع اوّل اُردو صحافت کے لیے انتہائی صبر آزما اور مشکل دور تھا۔ انھی حالات میں ۱۹۰۳ء میں سراج الدین نے ''زمیندار'' کا آغاز کیا جس نے ایک بڑے اُردو دان طبقے کو اپنی جانب متوجہ کیا۔ کام کی زیادتی کی وجہ سے سراج الدین کی صحت پر بُرا اثر پڑا اور وہ شدید علیل ہو گئے۔ ۱۹۰۹ء میں اس علالت کے باعث وہ انتقال کر گئے۔ اس طرح اخبار کی ادارت کی ذمّے داری

مولانا ظفر علی خاں کے سپرد ہو گئی۔ مولانا بیک وقت اخبار نویس، شاعر، ادیب، خطیب، صحافی، کالم نویس، مترجم، گھڑ سوار، تیراک، نیزہ باز اور عظیم دینی و سماجی رہنما تھے۔(۸) آپ نے قدرت کی طرف سے ودیعت شدہ تمام صلاحیتوں کو تحریکِ پاکستان کے لیے وقف کر دیا۔ آپ نے تحریکِ آزادی کو زیادہ مؤثر اور نتیجہ خیز بنانے کے لیے اپنے اخبار ''زمیندار'' کو ایک مؤقر روزنامہ بنا دیا ورنہ آپ کی ادارت سے پہلے یہ ایک ہفت روزہ تھا اور اس کی اشاعت بھی قابلِ ذکر اور قابلِ قدر نہ تھی۔

انگریز اور اس کے سامراجی نظام کی مخالفت ان کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ انھوں نے برِ صغیر کے مسلمانوں میں جذبۂ آزادی کی آبیاری کے لیے اپنے قلم اور اخبار کا خوب استعمال کیا۔ ''زمیندار'' اخبار کی مقبولیت اور اشاعت میں اضافے کے حوالے سے آپ کے کالموں نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ آپ نے انگریزی سامراجیت اور ہندو استعماریت کے خلاف نہ صرف علمِ جہاد بلند کیا بلکہ قائدِ اعظمؒ کے ہراول دستے میں پیش پیش رہے۔ آپ نے اپنی فکر و نظر، علم و حکمت اور سیاست و تدبر سے اپنا شمار مسلم لیگ کے اہم لیڈروں میں کروالیا۔ مسلم لیگ کے علاوہ آپ نے دوسری سیاسی جماعتوں کے ساتھ بھی کچھ عرصہ وابستگی برقرار رکھی۔ اس حوالے سے ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا رقم طراز ہیں:

> ''تین گول میز کانفرنسیں (۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۲ء) ہوئیں مگر وہ بھی ہندو مسلم مسائل کو حل کرنے میں ناکام رہیں پھر نہرو رپورٹ آئی جس سے اکثر مسلمان رہنما کانگرس چھوڑ گئے۔ ۱۹۳۵ء میں شہید گنج کی تحریک کے دوران ظفر علی خاں نے ''احرار'' سے الگ ہو کر اپنی جماعت، ''مجلسِ اتحادِ ملت'' تشکیل دی۔ ۱۹۳۷ء میں لاہور سے مرکزی اسمبلی کے الیکشن میں بلامقابلہ منتخب ہونے کے بعد مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور ''زمیندار'' کو تحریکِ آزادی اور مسلم لیگ کی پالیسیوں کے لیے وقف کر دیا۔ ۱۹۴۶ء۔ ۱۹۴۵ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کی الیکشن مہم چلائی۔ اس دوران ''زمیندار'' کی مقبولیت عروج پر پہنچ گئی۔''(۹)

مولانا ظفر علی خاں نے کانگرس، مجلسِ احرار اور مسلم لیگ میں نہ صرف کچھ وقت گزارا بلکہ ان کی قیادت کو بھی بہت قریب سے دیکھا۔ جنگِ بلقان و طرابلس میں ان کا اور ان کے اخبار زمیندار کا کردار مثالی نوعیت کا تھا۔ اس حقیقت کو کسی طور جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ ''زمیندار'' نے اس موقع پر ملّت کے جذبات کی بھرپور ترجمانی کی۔ مولانا متعدد مرتبہ قید بھی ہوئے۔(۱۰)

مولانا ظفر علی خاں کے والد نے جب ۱۹۰۳ء میں ''زمیندار'' اخبار جاری کیا تو ان کے پیشِ نظر عوام کی سیاسی و مذہبی اور معاشی و تعلیمی نقطۂ نگاہ سے بیداری تھی۔ اخبار کے اجرا سے پہلے وہ محکمۂ ڈاک میں ملازمت کرتے تھے۔ وہ سیاسی، مذہبی اور تعلیمی معاملات میں سرسید کے پیروکار تھے۔ سرسید کے ''تہذیب الاخلاق''

میں آپ کے مضامین شائع ہوتے تھے۔مولوی سراج الدین ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر بھی تھے۔وہ زمیندار ہونے کی وجہ سے، زمینداروں کے مسائل سے خوب آگاہ تھے۔اسی وجہ سے آپ نے اس اخبار کا نام بھی ''زمیندار'' رکھا۔ پہلا شمارہ لاہور سے جاری ہوا اور بعد میں اسے کرم آباد منتقل کر دیا گیا۔

مولانا ظفر علی خاں نے ۱۹۰۹ء میں جب ''زمیندار'' کی ادارت سنبھالی تو اپنے والدِ محترم کی پالیسیوں کو تسلسل دیا اور آپ نے ''زمیندار'' کو جنوبی ایشیا کا مقبول ترین اخبار بنا دیا۔جنگِ بلقان اور طرابلس کے موقع پر آپ کے اداریے جو''زمیندار'' میں چھپتے تھے بہت مقبول ہوئے۔اس حوالے سے عبدالسلام خورشید لکھتے ہیں:

> ''زمیندار کی غیر معمولی مقبولیت اور ہر دل عزیزی کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ جب زمیندار سرحدی علاقے میں پہنچتا تو پٹھان ایک آنہ دے کر تو زمیندار خریدتے اور ایک آنہ پڑھوائی کے لیے دیتے۔''(۱۱)

مولانا ظفر علی خاں نے اپنی فطری صلاحیتوں کو نہ صرف استعمال کیا بلکہ ان کے توسط سے اخبار کی کایا مکمل طور پر پلٹ دی تھی۔خبروں کی فراہمی کے لیے جدید ذرائع اختیار کیے جاتے تھے۔ذرائع ابلاغ اور طباعت واشاعت کے شعبے میں وقوع پذیر تبدیلیوں کے ساتھ اخبار کو ہم آہنگ رکھا جاتا تھا۔خبریں شائع کرنے کے انداز میں جدت وندرت پیدا کی گئی۔افتتاحی اداریہ، شذرات، فکاہی کالم، مضامین اور خطوط کی تدوین کے حوالے سے جدید تر خطوط پر کام کیا گیا۔شعروادب سے قارئین کو حظ پہنچانے کی پالیسی اختیار کی گئی۔اخبار میں ہر ذوق کے قاری کا خیال رکھا گیا۔

صحافت کی اصل قوت عوام کو سمجھا جاتا ہے۔ایک اچھا صحافی عسرت وتنگ دستی کے باوجود اپنے خیالات کی اشاعت کے لیے تڑپ رکھتا ہے۔وہ حق وصداقت کا امین ہوتا ہے۔وہ ظالم اور جابر قوتوں کے سامنے مظلوموں، بے کسوں اور غریبوں کے حق میں علم بلند کرتا ہے۔روزنامہ ''زمیندار'' نے اخبار بینی جو خواص تک محدود تھی، کو عوام کی سطح تک پہنچا دیا۔صحافت اگر جمہور کے جذبات واحساسات کی ترجمان ہے تو ظفر علی خاں نے واقعتاً اس ترجمانی کا نہ صرف حق ادا کیا بلکہ وہ دوسرے صحافیوں کے لیے بھی ایک علمبردار کی حیثیت رکھتے ہیں۔انھوں نے قارئین کے ایک وسیع حلقے کو اپنا گرویدہ بنایا۔ مولانا غلام رسول مہر نے جب روزنامہ ''انقلاب'' جاری کیا تو بیشتر پالیسیاں وہی جاری رکھی گئیں جو زمیندار سے ماخوذ تھیں۔پنجاب کی صحافت میں مولانا ظفر علی خاں کا قد مولانا غلام رسول مہر اور عبدالمجید سالک سے بڑا ہے۔

اس دُنیا کی حیثیت انسان کے لیے ایک تربیت گاہ اور تجربہ گاہ کی سی ہے، لہٰذا یہاں عرفانِ ذات، شعورِ حیات اور تعمیرِ حیات کی صلاحیتوں کے بہترین استعمال سے فکر وعمل کی دُنیا میں اسے انقلاب کا داعی اور نقیب بن کر، نیابتِ الٰہی کی ذمّے داری کا حق احسن طریقے سے ادا کرنا چاہیے۔مولانا ظفر علی خاں اور

''زمیندار'' کا کردار بھی سنہری حروف میں لکھے جانے کے لائق ہے۔آپ کی زندگی کا سفر قربانیوں، شہادتِ حق اور آزمائشوں سے بھرا پڑا ہے۔

''زمیندار'' کو زندہ رکھنے اور ایک مؤقر روزنامہ بنانے میں عوام نے مولانا ظفر علی خاں کا خوب ساتھ دیا۔ درحقیقت جمہور ظفر علی خاں اور ''زمیندار'' کی آواز کو اپنے دل اور ضمیر کی آواز سمجھتے تھے اور مولانا نے بھی کبھی انھیں مایوس نہیں کیا بلکہ ہر آزمائش اور کڑے وقت میں ان کے جذبات و احساسات کی حقیقی معنوں میں ترجمانی کی۔ اس طرح مستقبل کے صحافی کے لیے آپ کی حیثیت مثالی اور مینارۂ نور کی سی ہے۔ حق پرستی اور حق گوئی کی راہ ہمیشہ سے پُرخطر اور خاردار رہی ہے۔ مگر کچھ ہستیوں کو تو دشوار گزار راہوں پر چل کر گوہرِ مقصود تک رسائی کا جنون ہوتا ہے۔ یہ لوگ عظمت و عزیمت اور ہمت و استقامت کی علامت بن کر ملک و ملت کے لیے کامیابی و کامرانی کا استعارہ بن جاتے ہیں۔ مولانا ظفر علی خاں نے بھی بطور صحافی ایک معیار اور کسوٹی فراہم کر کے اس راہ کے مسافروں کے لیے ایک منزل کا تعین کر دیا ہے۔ نو وارد صحافیوں کے لیے مولانا کی حیثیت ایک روشن قندیل کی سی ہے۔

☆☆☆☆☆

## حوالے


(۱) محمد زبیر ناصر (دیباچہ)، مولانا غلام رسول مہر - حیات و آثار از ڈاکٹر محمد آصف اعوان، لاہور: نشریات، ۲۰۱۳ء، ص: ۹

(۲) محمد آصف اعوان، ڈاکٹر، ''مولانا غلام رسول مہر - حیات و آثار''، لاہور: نشریات، ۲۰۱۳ء، ص: ۲۵

(۳) ایضاً، ص: ۲۶۔۲۷

(۴) عبدالرؤف نوشہروی، پروفیسر، ''عظیم لوگ بطور طالبِ علم''، لاہور: نیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۰ء، ص: ۸۹۔۹۰

(۵) ایضاً، ص: ۹۰

(۶) صائمہ ارم، ڈاکٹر، (مضمون)، ''اُردو صحافت ۱۸۵۷ء کے تناظر میں''، مشمولہ: ششماہی ''تحقیق نامہ''، مدیر: پروفیسر ڈاکٹر محمد ہارون قادر، لاہور: جی سی یونیورسٹی، شمارہ: ۲۰، جنوری تا جون ۲۰۱۷ء، ص: ۴۹

(۷) ایضاً، ص: ۵۰

(۸) ہارون الرشید تبسم، ڈاکٹر، ''گل دستۂ تقاریر''، لاہور: مکتبۂ تعمیر انسانیت، ۲۰۱۶ء، ص: ۱۱۴

(۹) خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر، (مدیر عمومی)، ''مختصر تاریخِ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند''، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۱۶ء، ص: ۵۶۳

(۱۰) ایضاً، ص: ۵۶۲

(۱۱) عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر، ''صحافت پاک و ہند میں''، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۳ء، ص: ۳۵۰